مترجم :- پروفیسر وائی۔ایس طاہر علی

مقالہ نگار ڈاکٹر داؤد پوتا رح

باب ششم

عربی شاعری پر ایران اور ایرانی شاعری کے اثرات

(قسط ۱۱)

ہم نے کئی مثالیں دے کر واضح کر دیا ہے کہ ایرانی شاعری ابتدا میں عربی شاعری سے اثر انداز ہو کر کیسے ڈھلی۔ ہم نے برسبیل تذکرہ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ عربی شاعری میں کیا کیا تغیرات رونما ہوئے جب اس نے اپنی سرزمین کو خیرباد کہا۔یہ آخری باب ہے۔اس باب میں ہم مختصر طور پر ان اثرات کا جائزہ لیں گے جو عربی شاعری میں پیدا ہوئے جب اسے ایرانی ماحول نصیب ہوا۔

عربی شاعری ایرانی شاعری کی نشو ونما اور ارتقا پر بے شک اثر انداز ہوئی لیکن عربستان پر اور عربی شاعری پر ایران کا اثر و نفوذ قدیم تر ہے اور اس سے دوررس نتائج نکلے ہیں۔ نام نہاد "عرب تہذیب و تمدن" کئی اقوام کی باہمی کوششوں کا ثمرہ تھا اسلام کے نفاذ نے ان سب کو ایک ملت میں سمو دیا تھا۔ اس آمیزش میں ایرانیوں نے ایک نمایاں کردار ادا کیا شاعری کے میدان میں بھی جو عربوں کا خاص جولانگاہ ہے ایرانی گوئے سبقت لے گئے۔ عربی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، طب، لغت نویسی، تاریخ، سیرت نگاری اور صرف و نحو سے ایرانیوں کی کارگذاریوں کو منہا کیجئے تو جو کچھ بچے گا وہ سچ ہوگا لے عربی ادبیات کے تمام شعبہ جات میں

لے پروفیسر براؤن: تاریخ ادبیات ایران ج ۲ ص ۲۰۴

ایرانیوں کی کارکردگی کا پتہ چلایا جائے تو وہ بے شک دلچسپ اور مفید کام ہوگا لیکن اس کام میں بڑے بڑے فضلا نے ہاتھ ڈالا ہے اور انہوں نے اپنی تحقیقات اور تفحصات سے مفید نتائج نکالے ہیں[1] اس مقالے کا مقصد صرف ایران کے اثرات کو واضح کرنا ہے جو زمانۂ جاہلیت سے لے کر عہد عباسیہ تک عربی شاعری پر مرتب ہوئے[2]

اگر زمانۂ جاہلیت کے عرب شعراء مثلاً امراؤ القیس، طرفہ، لبید، اعشیٰ، اوس بن حجر وغیرہ کے کلام کا مطالعہ کیا جائے جو فصاحت کے اعتبار سے بے نظیر ہیں تو ان میں کثیر التعداد فارسی الفاظ نظر آتے ہیں۔ ہم نے مانا کہ قدیم اہل عرب ایرانیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے تاہم ان شعراء کو ایرانی طرز زندگی اور رسومات سے کافی آگاہی ہو چکی تھی۔ یہ کوئی اتفاقیہ بات نہیں تھی بلکہ کئی زبردست وجوہات کی بنا پر فارسی کے الفاظ جاہلیت کے زمانے میں عربی میں در آئے تھے اگر یہ اجنبی اور عام فہم الفاظ عوام میں مروج نہ ہوتے تو عرب شعراء ان کو اپنے کلام میں کیسے جگہ دیتے یہ بھی واضح رہے کہ عوام میں مروج پانے کے لئے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے۔ عربستان میں ایرانی اثرات کے تین[3] خاص وجوہ تھے مثلاً (الف) دونوں ممالک کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملحق تھیں (ب) کچھ سیاسی تعلقات تھے اور (ج) ان دونوں میں تجارت کی آمد و رفت بھی جاری تھی۔

عربستان اور ایران کے تعلقات کی داستان قدیم ہے۔ عربستان کا اندرونی علاقہ بھی ایرانی اثرات سے نہ بچ سکا تھا۔ گولڈزیہر کہتا ہے[3] کہ "ملک کے چپے چپے پر ایرانی تاجر عربوں کے ساتھ رہتے

---

[1] مثلاً کریمر، بروکلمن، گولڈزیہر، اسپیگل، روسی مستشرق ابنوس ٹرین زو، پروفیسر براؤن، پروفیسر نکلسن اور دیگر نامور فضلا۔

[2] اس سمت میں بھی گولڈزیہر نے کافی کام کیا ہے۔ اس کا ایک مقالہ بالخصوص "Paenismeat PARSISME" پر ہے اور دوسرا مقالہ "Arab UND 'AJAM" ہے جو اس کی کتاب "Muhammadanische Studien" کا دوسرا باب ہے۔ استاد محترم جناب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم نے بھی ایک مقالہ بعنوان "کلاسیکل عربی میں فارسی کے دخیل الفاظ" جرمن زبان میں تحریر فرمایا تھا جو بقول مقالہ نگار گولڈزیہر کی تحقیقات کا اور جوالیقی کی المعرب کا خلاصہ ہے مقالہ نگار کو بھی کوئی زعم نہیں ہے صفحات آئندہ میں وہی باتیں درج ہیں جو ان فضلا نے لکھی ہیں۔

[3] گولڈزیہر: Mul. STOD صفحات ۱۰۲ اور ۱۰۳ معہ ذیلی حواشی اور Islamisme et Paesisme ۲۳ -

تھے اور عہد مسیحی کی ابتدا سے ایرانی لوگ کئی مقامات پر کانوں سے سونا نکال رہے تھے (ملاحظہ ہو۔ GLASER کی کتاب بعنوان SKIZZE der GESCRICHTE und GEOGRAPHIE ARABIENS) جلد ص ۱۹۳)۔

ایرانیوں کے اثر ونفوذ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ عرب قبیلہ بنو عجل کے لوگ کافی تعداد میں بالکل ایرانی رنگ میں رنگے ہوئے تھے"[1] چنانچہ فطری طور پر بہت سے فارسی الفاظ مقامی عربی بول چال میں مخلوط ہوگئے اور پھر بتدریج سارے جزیرہ نما میں عام ہوگئے۔

ایران اور عربستان کے تعلقات کو آگے بڑھانے میں عہد ساسانی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس عہد میں اہل عرب ایرانیوں کے ساتھ اقتدار کی خاطر برسر پیکار رہے۔ اردشیر کے بیٹے شاہ پور اول نے قبیلۂ قضاعہ کو جڑ مُول سے نیست ونابود کر دیا کیونکہ بنو قضاعہ نے جنگ میں سطیرون (ضیزان) کا ساتھ دیا تھا۔ سطیرون کے ساتھ اس کی لڑکی نضیرہ نے بھی غداری کی تھی اور اپنے کیفر کردار کو پہنچی تھی یہ قصہ بہت مشہور ہے[2] اسی طرح شاہ دوم نے عرب ڈاکوؤں اور لٹیروں کو تیسری صدی عیسوی کے اواخر میں بزورِ شمشیر بھگا دیا تھا کیونکہ وہ ایران کے مغربی علاقوں میں لوٹ کھسوٹ اور غارتگری کر رہے تھے[3] رفتہ رفتہ شمال میں شر پسند عرب قابو میں آگئے اور جس جگہ لاقانونیت اور مار دھاڑ تھی وہاں ایک ترقی یافتہ مملکت قائم ہوگئی جس کا نام "الحیرہ" تھا اس مملکت کے عرب فرمانروا بنو لخم تھے جنہوں نے ایران کی برتری کو تسلیم کر لیا تھا۔

الحیرہ کا جائے وقوع ایران کے صدر مقام سے قریب ہونے کی بنا پر ایران کے اثر ونفوذ سے نہیں بچ سکتا تھا۔ چنانچہ شمال میں ایران کے ثقافت کی نشر واشاعت میں الحیرہ نے بہت کام کیا۔ عربوں اور ایرانیوں کو یہاں سر جوڑ کر بیٹھنے کے بڑے مواقع نصیب ہوئے۔ بادیہ نشین عرب جب حیرہ آتے تھے تو اپنی بدوی زندگی کے طور طریقے بھول جاتے تھے اور اہل حیرہ کے ساتھ گھل مل

---

[1] گولڈزیہر Islamisme et Persisme جلد ص ۲۳۰ اور IE MUH. STUD. ص ۱۰۳

[2] طبری ج ۱ اور ج ۲ صفحات ۸۲۷ تا ۸۲۹ نالڈیکی: طبری ص ۳۳ تا ۳۸

[3] نالڈیکی: AUFSATZE صفحات ۹۴ اور ۹۸۔

جاتے تھے [1] یہیں پر عیسائی عبادی شاعر عدی بن زید کا مسکن تھا جو نہ صرف فارسی زبان میں مہارت تامہ رکھتا تھا بلکہ ایرانی پولو کے کھیل کا مرد میدان بھی تھا۔ ان کمالات کی وجہ سے کسریٰ نے اس کا دیوانِ انشاء میں تقرر کیا تھا اور اُس کے بعد اُسے بازنطہ (قسطنطنیہ) بحیثیت ایک سفیر کے بھیجا تھا[2]۔ لخمیوں کا دربار بھی قدیم عرب شعراء کا مرکز بن گیا۔ نابغہ اور لقیط ان شعراء میں سے تھے جو الحیرہ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ چند شعراء ایسے بھی تھے جو گاہے بگاہے وہاں جا کر انعام و اکرام حاصل کرتے تھے۔ ان میں عبید بن الابرص، طرفہ اور اس کا ماموں متلمس، لبید اور اعشیٰ بہت مشہور و معروف ہو گزرے ہیں اعشیٰ نے ایرانی آلاتِ ساز کا، پھولوں کا جڑی بوٹیوں کا ذکر بار ہا کیا ہے۔ اور وہ ایرانی طرز زندگی کا دلدادہ معلوم ہوتا ہے۔ ابن قتیبہ کہتا ہے کہ چونکہ اس کی ایرانی دربار میں آمد و رفت تھی اور وہ اہل ایران کی طرز زندگی سے آگاہ تھا لہذا اس کے اشعار میں فارسی الفاظ کی بھرمار ہے[3]۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ الحیرہ کا محل وقوع ایک مرکزی حیثیت سے تجارت کی بڑی منڈی تھا۔ جہاں عرب اور ایرانی آپس میں مل جل سکتے تھے۔ اہلِ مکہ کا سامان تجارت لے کر ابو سفیان کئی دفعہ اپنے کاروانوں کے ساتھ ایران گیا ہوگا اور یقیناً اسے الحیرہ ہی سے گذرنا پڑا ہوگا ان کاروانوں میں چند افراد ایسے بھی تھے جنہوں نے ایران کے قدیم بادشاہوں کی کہانیاں سنی تھیں اور قومی رزم کے کرداروں سے واقف ہوئے تھے۔ قبیلہ قریش کا ایک فرد بنام نضر بن الحارث ایک داستان گو تھا جو رسول اکرمؐ کی بارگاہ

---

[1] طبری جلد ۱ ص ۸۲۲: نولڈیکی۔ طبری ص ۲۴؛ روتھس ٹین DIE. DYnasTie dalechmid/en in al hIPA اور پروفیسر نکلسن: HIST. Lit. صفحات ۳۹ تا ۴۹۔

[2] آغانی: جلد ۲ صفحات ۱۸ تا ۴۰؛ بروکلمن جلد ۱ ص ۲۹؛ پروفیسر نکلسن Lit. HIST ص ۴۵ تا ۴۸؛ ابن قتیبہ، الشعر والشعراء ص ۱۱۴۔

[3] ابن قتیبہ؛ الشعر والشعراء صفحات ۱۳۶ اور ۱۳۷

[4] گولڈ زیہر: ISLAMISME et PARSISME ص ۲۲۰؛ الاغانی جلد ۶ ص ۹۳ سطر ۱۲؛ کان ابو سفیان تاجرًا یجھز التجار بمالہ ومالِ قریش إلى أرض العجم۔

سے بہت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا تھا اور رستم و اسفند یار کی داستان اور دیگر داستانیں سنایا کرتا تھا[1]

الحیرہ کی مملکت کے علاوہ عربستان کے جنوب مشرقی ساحل پر بحرین اور عمان کے دو علاقے تھے ان کی سرحدیں یمامہ اور یمن تک پھیلی ہوئی تھیں اور دونوں علاقے ایران کے زیرنگین تھے[2] فارسی کے کئی الفاظ ان علاقوں کی وساطت سے عربی زبان میں در آئے اور ان کا سراغ آج تک جاہلیت کے شعراء کے کلام میں ملتا ہے[3] بحرین کا ایرانی والی اسبد کہلاتا تھا اور شرفائے عرب اس کی رعایا کو حقارت سے اسبد کے غلامان یا عبید اسبد[4] کہتے تھے۔ بحرین کا آخری والی منذر بن ساوہ تھا جب مسلم افواج نے بحرین پر غلبہ پالیا[5] تو منذر معہ دیگر ایرانیوں کے مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

یمن کا ذکر بھی ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت یمن پر ساسانیوں کا اقتدار تھا۔ نوشیروان نے سیف بن ذی یزن کو ایرانی سپاہ کی کمک پہنچائی تاکہ اُسے حبشہ کے پنجے سے نجات ملے اور وہ حملہ آوروں کو مار بھگائے۔ سیف نے چار سال تک ایرانی عامل وہریز کے ساتھ مشترکہ طور پر حکومت کی لیکن حبشی غلاموں نے سیف کا کام تمام کر دیا جب وہ شکار کھیل رہا تھا اہل یمن کو اپنے بادشاہ کے قتل پر اتنا شدید صدمہ ہوا کہ انہوں نے پھر کسی یمنی کو تخت پر بیٹھایا اور ایرانی حکومت کے تحت رہنا پسند کیا۔ آخری والی باذان نے اسلام قبول کرلیا (۶۲۸ء) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یمن کے صدر مقام صنعا میں بحیثیت والی برقرار رکھا۔ حجۃ الوداع کے فوراً بعد باذان کا انتقال ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] ابن ہشام: سیرۃ تصحیح ووسٹن فیلٹ صفحات ۱۹۱ اور ۲۳۵؛ پروفیسر نکلسن: LIT. HIST ص ۳۳ اور ڈیل: ARABER کے لئے POETISCHE ص ۵۴ اور ۵۵

[2] حمزہ: تاریخ سنی ملوک الارض والانبیاء۔ ص ۱۳۸

[3] جوالیقی: المعرب تصحیح سخاو صفحات ۱۰ اور ۱۱

[4] " " " "

[5] نولڈیکی: طبری ص ۲۶۳ ذیلی نوٹ نمبر ۲؛ فتوح ص ۷۸ اور ص ۸۵؛ ابن ہشام: سیرۃ ص ۹۴۵ اور ص ۹۷۱

یمن کو کئی علاقوں میں تقسیم کر دیا اور ہر علاقے میں ایک حاکم مقرر فرمایا لیکن صنعا کے والی باذان کے بیٹے شہر ہی کو رکھا[۱]

سیف بن ذی یزن کے ساتھ جو ایرانی آئے تھے وہ سب یمن ہی میں آباد ہو گئے اور انہوں نے عربوں کے ساتھ شادیاں کیں۔ اِن کی اولاد بنوالاحرار یعنی شرفاء کی اولاد کہلاتی تھیں ایک مدت تک اِن کی نسل اسی نام سے پکاری جاتی تھی[۲] سب سے پہلے یہ لفظ امیہ بن الصلت نے اپنی ایک نظم میں استعمال کیا اور اس نظم کو سیف بن ذی یزن کے حضور ان وفود کے سامنے پڑھی جو سیف بن ذی یزن کو حبشیوں کے خلاف غلبہ پانے پر مبارک باد کہنے کے لئے آئے تھے۔ اس موقعہ پر حضرت عبدالمطلب (محافظ کعبہ شریف) کی سرکردگی میں مکہ مکرمہ کے مقتدر اہل قریش بھی موجود تھے[۳] اس امر سے شمالی عربوں اور اہل یمن کے تعلقات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اہل یمن کا اہل حبشہ پر غلبہ حاصل کرنا ایک بہت بڑا قومی اعزاز سمجھا گیا تھا۔

---

[۱] پروفیسر براؤن: تاریخ ادبیات ایران صفحات ۱۷۸ تا ۱۸۱؛ عمارہ: تاریخ الیمن ترجمہ H. C. KAY ص ۱۳۸؛ بلاذری: فتوح ص ۱۰۷؛ ابن ہشام: سیرۃ ص ۴۶ اور آغانی جلد ۱۶ ص ۷۵ اور اُسی کے مابعد۔

[۲] ان ممتاز ہستیوں میں سے یہ چند ہیں جو یمن میں پیدا ہوئیں: الف وھب بن منبہ جو قدیم ترین جامع القرآن ہے ملاحظہ ہو طبری جلد ص ۱۷۶۳ (ب) عبید بن شریہ۔ افسانہ گو تھا جسے معاویہ نے یمن سے بلا کر شاہانِ یمن کی تاریخ اور داستانیں سنیں (پروفیسر نکلسن: LIT. HIST ص ۱۳؛ الفہرست ص ۸۹ نیز بروکلمن: Geschichte d. a. Lit صفحات ۶۴ تا ۶۷ اور پروفیسر براؤن Lit. Hist ج ۱ ص ۲۷۳

ان کے ساتھ حسن بن احمد الہمدانی اور نشوان بن سعید الحمیری کے نام بھی شامل کر دیئے جائیں۔ یمنی شعراء میں وضاح الیمن کا ذکر باب چہارم میں آچکا ہے اور دوسرا شاعر یزید بن ربیعۃ بن مفرغ الحمیری ہے جو فارسی میں بھی کلام کہتا تھا ملاحظہ ہو الجاحظ: کتاب البیان ص ۶۱؛ ابن قتیبۃ ص ۲۱۰۔ نیز ملاحظہ ہو پروفیسر نکلسن کی Lit. HIST ص ۱۹ حاشیہ ۲۔

[۳] آغانی جلد ۱۶ ص ۷۵؛ ابن قتیبہ: کتاب الشعر والشعراء صفحات ۲۸۱ و ۲۸۲؛ طبری جلد ۱ ص ۹۵۶ اور ابن ہشام: سیرۃ ص ۴۴ آغانی کے ماسوا تمام کتابوں میں یہ نظم امیہ کے باپ سے منسوب کی جاتی ہے جو غالباً درست ہے میں نے اغانی کے مصنف کی تقلید کی ہے۔

اسلام سے قبل عربستان پر ایران کا اثر و نفوذ تقریباً عام ہو چلا تھا۔ ان سیاسی حالات کا عربی بول چال پر کتنا گہرا اثر ہوا ہوگا اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اُمیّہ کی مشارٌ الیہ نظم میں پانچ فارسی کے الفاظ نظر آتے ہیں اور یہ پانچوں الفاظ ابن قتیبہ، ابن ہشام، طبری اور اصفہانی کی مختلف فیہ روایتوں میں مذکور ہیں۔[1]

زبان کی ارتقاء میں سیاسی تعلقات کے علاوہ تجارتی تعلقات بھی ایک قوی عنصر ثابت ہوتے ہیں۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ شمالی عرب اور جنوبی عرب کے مابین تجارت کی آمد و رفت اور یمن سے ہو کر ہی عالمی تجارت ہؤا کرتی تھی چنانچہ تمام کارواں یمن سے قیمتی ساز و سامان اور شراب شمال کی طرف لے جاتے تھے اور اپنے ساتھ اہلِ یمن کے چند خیالات اور نظریے بھی لے جاتے تھے۔[2] اس طرح بہت سے فارسی الفاظ یمن سے عربستان میں چاروں طرف پھیل گئے ہوں گے امتدادِ زمانہ کے ساتھ ان الفاظ نے عربی زبان میں اپنی جگہ کر لی تھی اور جزو لاینفک ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وہ عربی کے الفاظ شمار ہونے لگے اور قرآن مجید میں بھی وہ وارد ہو گئے۔[3]

خلیفہ عمر بن الخطاب کے عہد میں ایران کی فتوحات ہوئیں اور پھر بنو امیہ کے زمانے میں مسلمان افواج نے مزید پیش قدمی کی چنانچہ کچھ اور فارسی الفاظ عربی میں داخل ہوئے اور شعر و سخن میں مستعمل ہونے لگے۔ ایسے الفاظ المعرّب کی کئی عبارتوں میں منقول ہیں[4] عہد بنی امیہ میں ایرانی موسیقی کے طفیل

---

[1] مذکورہ حوالہ ص ۱ حاشیہ ۳ پر دیکھیں۔

[2] گولڈزیہر: Islamisme et PARSISME ص ۲۳

[3] وہ الفاظ یہ ہیں: دین، سجیل، سراج، سرابیل وغیرہ (ملاحظہ ہو المعرب) یاد رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پرانے صحابیوں میں سے ایک مسلمان تھے جو ایرانی نژاد تھے ان کے مشورے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ خندق میں مدد ملی (خندق۔ فارسی کندہ، ملاحظہ ہو المعرب ص ۵۱)

[4] المعرب اُسی صفحہ پر۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عمرؓ نے ایرانی مشورے سے محکمہ دیوان (خزانہ) قائم کیا تھا اور ہجری تقویم کی ابتدا کی تھی (ملاحظہ ہو البیرونی کی آثار ص ۲۹۔

ایران کی فتوحات کے بعد مسلمانوں نے ایران کے معاملات میں اور ایران کی تاریخ میں دلچسپی لینی شروع کی حضرت عثمان نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک عیسائی بنام ابو زُبَید حرملہ بن مُنذر کو مدینہ میں بلایا جو آنحضرت[4]

(باقی اگلے صفحہ پر)

سے عرب موسیقی بھی پروان چڑھی[1] موسیقی کے ذریعے سے شعر و سخن میں شستگی پیدا ہوئی اور قصیدے کے غیر مربوط اجزاء میں ہم آہنگی اور ربط آگیا۔ عمر بن ابی ربیعہ کی غزلوں میں ایرانی اثرات نمایاں طور پر ملتے ہیں[2]۔

عہد عباسیہ کے ابتدائی دور میں ایرانی اثرات اوج کمال پر پہنچ گئے۔ یہ اثرات ناگہانی طور پر وقوع پذیر نہیں ہوئے بلکہ عہد بنی امیہ میں بھی لوگوں کو ان کا احساس ہو رہا تھا۔ مرکز سے دور علاقوں میں رہنے والے عربوں نے اپنا قومی شعار بالتدریج چھوڑ رکھا تھا اور مقامی آبادی کے رسوم و روایات کا رنگ ان پر غالب تھا۔ میور کہتا ہے کہ خراسان میں رہنے والے عرب ایرانی معلوم ہوتے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد نے ایرانی عورتوں سے شادی کی تھی اور اُن سے ہونے والی اولاد عربی کے مقابلے میں فارسی اچھی بولتے تھے دمے نوشی کرتے، پاجامے پہنتے تھے اور ایرانی تہوار مناتے تھے[3]۔ خراسان ہی میں عربوں کا اقتدار متزلزل ہوا اور فارسی شاعری نے اپنا سر اٹھایا خراسان ہی میں ابومسلم نے بنو امیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اہل خراسان نے درحقیقت بنو عباس کے لئے ایران کا تخت حاصل کیا۔ ابراہیم نے ابومسلم کو جو

(پچھلے صفحہ سے آگے) کے عہد سے پہلے کئی بادشاہوں سے اور بالخصوص ایرانی بادشاہوں سے ملا تھا اور ان کے حالاتِ زندگی سے واقف تھا۔ (گولڈزیہر: Islamische et PARSISME ص ۵ اور آغانی جلد ۱۱ ص ۲۷

اکان من زوّار الملوک وخاصّةً ملوك العجم وکان عالما بسیرھم) مسعودی لکھتا ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے لئے ۱۱۳ھ میں ایک تاریخ کی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا گیا تھا جس میں ایرانی بادشاہوں کی خلوت و جلوت کی زندگی کے حالات درج تھے جو اصطخر کے شاہی دستاویزات سے لئے گئے تھے اور اس میں ہر بادشاہ کی ایک تصویر بھی لگی ہوئی تھی (ملاحظہ ہو التنبیہ ص ۱۰۶)۔ ایسی بہت سی تاریخی کتابیں اور دستاویزات عہد بنی امیہ میں ترجمہ ہوئی تھیں لیکن بنو عباس کی تباہ خیزیوں نے ان سب کا نام و نشان مٹا دیا۔

[1] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو فون کریمر؛ STREIFZUGE؛ پروفیسر نکلسن: LIT. HIST صفحات ۲۳۶ اور ۲۳۷۔

[2] العمدۃ جلد ۲ صفحات ۹۹ اور ۱۰۰۔

[3] میور: THE CALIPHATE ص ۴۲۳۔

خط لکھا تھا اس سے نہ صرف بنی امیہ کے خلاف نفرت ظاہر ہوتی ہے بلکہ ان تمام لوگوں سے بھی دلی نفرت ظاہر ہوتی ہے جو عربی زبان بولتے تھے۔ وہ رقمطراز ہے کہ "خراسان میں کسی عربی بولنے والے کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑو"[1] ظاہر ہے کہ بنو عباس شروع سے ایرانیوں کی طرف مائل تھے چنانچہ مملکت میں بڑے بڑے عہدے ان کے سپرد ہوئے اور سلطنت کا نظام بھی ساسانیوں کے طرز پر چلایا[2]

برامکہ کے زمانہ عروج میں ایرانیوں کا تسلط اوج پر پہنچ چکا تھا۔ سلطنت کے معاملات ان ہی کے ہاتھوں میں تھے۔ اگر جعفر کی تدبیریں کامیاب ہو جاتی اور خراسان جانے سے پہلے ہارون الرشید جعفر کو اس کی بے خبری میں گرفتار نہ کر لیتا تو بنو العباس کی تاریخ دگرگوں ہو جاتی[3] برامکہ نے اپنے اہل وطن کو ترقی دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور انہوں نے اپنے قومی رسوم و روایات کو زندہ کیا[4] اُن ہی کے بل بوتے پر شعوبیہ تحریک پروان چڑھی اور عرب دشمن عناصر کو عہدوں پر مامور ہونے کے مواقع ملے[5] غرضیکہ اُن میں ایران نوازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مشہور نحوی اصمعی (وفات ۲۱۳ھ) نے ان کی الحاد پرستی کے بارے میں کہا ہے[6]

---

[1] میور: THE CALIPHATE ص ۴۳۲۔ اس خط کو مردان الحمار نے راستے میں پکڑ لیا تھا۔

[2] ساسانیوں کا فکر یاتی نظام کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر براؤن: تاریخ ادبیات ایران جلد ا صفحات ۲۵۵ تا ۲۶۰ گولڈ زیہر: STRSIFZUGE ص ۵ اور مابعد فون کریمر: ESLAMISME ET PERSISME اور دار میسٹیٹر: COUP DOEIL SUR L HISTAR DE LA PERSE آخر الذکر دونوں کتابوں میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

[3] پروفیسر مارگلیوث: بنو امیہ اور بنو العباس ص ۱۹۹ اور مابعد۔

[4] ملاحظہ ہو پروفیسر براؤن: تاریخ ادبیات ایران جلد ا ص ۲۵۸ منصور نے یحییٰ بن خالد سے ایوان کسرائے کو منہدم کرنے کے لئے مشورہ کیا جہاں تک ادبی معاملات کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے پہلوی زبان کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا اور انہیں برباد ہونے سے بچا لیا ابان اللاحقی نے پہلوی کتابوں کو فارسی میں منظوم کیا مثلاً کلیلہ و دمنہ داستان اردشیر اور نوشیروان، مزدک اور سندباد وغیرہ (الفہرست صفحات ۱۱۹ اور ۱۶۳) کئی اور شعراء اور ادباء ہیں جن پر اُن کا سایہ عاطفت ہے۔

[5] مثال کے طور پر عُلّان کو لیجئے جو شعوبی تھا۔ وہ بیت الحکمت میں نقل نویسی کرتا تھا اور عربوں کا جانی دشمن تھا۔ اس نے کتاب المثالب لکھی ہے اور اس میں عرب قبائل پر حرف گیری کی ہے (الفہرست ص ۱۰۵) اسی طرح سعید بن حُمَید البختکان جو الرمذ کویہ اور سہیل بن ہارون (دہی حوالہ) تھے جو المامون نے خدمت میں لگا رکھے تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

إذا ذكر الشرك في مجلس أنادت وجوه بني برمك

(جب کبھی کفر و شرک کی باتیں ہوتیں تو خاندان برمکی والوں کے چہرے دمک اٹھتے تھے)

وإن تُليت عندهم آية أتوا بالاحاديث عن مزدك

(اور اگر محفل میں قرآن پاک کی آیت پڑھی جاتی تو وہ سب مزدک کے ملفوظات بیان کرنے لگتے)

ایک اور ایران پرست شخص تھا جو اپنے فرائض منصبی سے سبکدوش ہو چکا تھا اور اپنے اوقات فرصت میں مسجدیں تعمیر کرتا تھا۔ وہ بھی کہتا ہے[۶]

ان الفراغ دعاني الى ابتناء المساجد

(بے شک فرصت کی وجہ سے میں مسجدوں کی تعمیر میں لگ گیا)

وإنّ رائي فيها كرأي يحيى بن خالد

(ورنہ اپنا مسلک مسجدوں کے بارے میں وہی ہے جو یحیی بن خالد البرمکی کا تھا)

اس میں شک نہیں کہ بہتیرے ایرانیوں نے حالات سے مجبور ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا ورنہ قدیم آبائی مذہب کی محبت ان کے دلوں سے محو نہیں ہوئی تھی۔ ابن المقفع (وفات ۱۴۲ھ) ہی کو لیجئے جب وہ ایک آتشکدے سے گذرا تو اسے خطاب کرتے ہوئے گنگنانے لگا[۷]

يا بيت عاتكة الذي اتغزل حذر العدى وبه الفؤاد موكل

(اے عاتکہ کے مسکن (تو) دشمنوں کے خوف کی وجہ سے مجھ سے چھوٹ گیا ہے ورنہ دل تجھ میں لگا ہوا ہے)

خاندان برمکی کے زوال وادبار کے بعد اہل خراسان نے ایک انجمن قائم کی جس کا مقصد ابو مسلم اور جعفر کے خون کا انتقام لینا تھا اور جو موقع کی تاک میں لگی رہی۔ انہیں المامون سے یقیناً امید بندھی کیونکہ مامون کی والدہ بھی ایرانی تھی اور مامون خود جعفر کے خاندان میں پل کر بڑا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ فطرتاً ایرانیوں کی طرف مائل تھا[۸]۔ امین اور مامون دونوں بھائیوں میں جو جنگ ہوئی تھی وہ بھی

(پچھلے صفحہ سے آگے)

[۶] عیون الاخبار تصحیح بروکلمن ص۷ اور الجاحظ: کتاب البیان جلد ۲ ص ۱۵

[۷] عیون ص۷۔

[۸] پروفیسر مارگیلوث UMAYYADS and ABBASIDS

دراصل عربوں اور ایرانیوں کے مابین اقتدار ہی کی جنگ تھی ماموں کے عہد خلافت میں درحقیقت ایرانیوں میں ملی شعور پیدا ہوا اور ایک نیم آزاد خاندان بنو طاہر نے جنم لیا جو مکمل طور پر ساسانی علوم ہوتا تھا۔ خاندان طاہریہ کے کچھ امراء شعر گوئی کیا کرتے تھے اور ابن الرومی کے ایک شعر سے پتہ چلتا ہے[۲] کہ عبداللہ بن طاہر کا بیٹا ملی فارسی میں بھی طبع آزمائی کرتا تھا چنانچہ بلا خوف وخطر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حنظلہ ہی پہلا صاحب دیوان شاعر نہیں تھا

[۱] جاحظ، کتاب التاج تصحیح زکی پاشا صفحات ۱۴۹، اور ۱۵۰۔ شاہان ساسانیہ اردشیر، بہرام گور اور نوشیراں کا دستور تھا کہ وہ اپنے توشہ خانے کے تمام پوشاک اور لباسات کو درباریوں، مقربین اور دیگر امراء میں اُن کے حسب مراتب تقسیم کر دیتے تھے ان کا خیال تھا کہ موسم گرما کے کپڑے بادشاہ کو سرما میں نہیں پہننا چاہیئے اور علی ہذا القیاس موسم سرما کے کپڑوں کو بھی اُسے موسم گرما میں استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ موسم کے ختم ہونے پر انہیں دے دینا چاہیئے۔ اسی وجہ سے مہرجان کے دن بادشاہ ریشمی لباس زیب تن کرتا تھا۔ گرمی کے دنوں کے کپڑے بانٹ دیتا تھا نوروز کے دن بھی وہ موسم سرما کے کپڑوں کو نکال دیتا تھا۔

جاحظ نے آگے چل کر لکھا ہے کہ ہمیں کوئی مسلمان یاد نہیں پڑتا کہ جس نے ساسانیوں کے اس دستور پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی ہو سوائے امیر عبداللہ بن طاہر کے جو ان دونوں تہواروں پر ساسانیوں کا اتباع کرتا تھا۔

اسی امیر نے نوشیروان عادل کے اظہار خیالات کا پیرایہ اختیار کیا تھا ملاحظہ ہو وہ خط جو اس نے رسمی طور پر لکھا تھا (بیہقی: محاسن ص ۳۱ سطر ۱۶ اور الجاحظ: محاسن صفحات ۱۵۸، اور ۱۵۹۔

عن سعی رعی ومن لزم المنام رائی الاحلام

جو سراسر ذیل کے فارسی مقولے کا ترجمہ ہے:

"ہر کہ رود چرد و ہر کہ خسپست خواب بیند"

ان حقائق کی بنا پر دولت شاہ کی بے سروپا بات کیسے باور کی جا سکتی ہے (اس نے تو پروفیسر براؤن جیسے فاضل کو بھی گمراہ کر دیا گرچہ پروفیسر موصوف اس کے نقادوں میں سے ہیں ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات ایران جلد ۱ صفحات ۳۴۶، اور ۳۴۷۔ کہ امیر عبداللہ نے داستان وامق وعذراء کو اپنے سامنے دریا میں غرقاب کیا اور کہا "ہم تو قرآن کے پڑھنے والے ہیں ہمیں ان کتابوں سے کیا واسطہ؟ ہمیں تو کلام اور حدیث سے مطلب ہے یہ تو مجوسیوں کی کتاب تھی اور اسی وجہ سے ہماری نظروں میں یہ کتاب مقدس نہیں ہے۔"

[۲] دیوان تصحیح کیلانی ص ۱۷۱؛ یا شاعر العجم اکرام کما :- ان ابن حجو شاعر العرب

بلکہ اس سے قبل بھی کئی ایرانی شعراء ہو گزرے ہیں جن کے کلام اور نام ہم تک نہ پہنچ سکے۔

عہدِ عباسی کا ابتدائی زمانہ افسانہ نویسی اور داستان سرائی کے لئے بہت مشہور ہے۔ اس فن میں بھی ایرانی ادیبوں اور شاعروں نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ وقائع نویسی بھی اسی زمانے کی پیداوار ہے۔ گولڈزیہر نے اس کے متعلق ہے۔

"عربوں کی تاریخ نویسی ایرانیوں کے شاہی دفاتر سے شروع ہوتی ہے اور اگر ایران سے یہ شوق عربوں کو نہ ملا ہوتا تو ان میں اس فن کا وجود عنقا ہو جاتا۔ اسی جذبہ شوق نے عربوں سے تحقیقات کا کام لیا اور وہ ان کے ملی کارناموں کا محافظ ثابت ہوا[1]"

اخلاقیات اور پند و موعظت کی کتابیں عربی اور فارسی میں عہد ساسانی ہی کی کتابوں کی رہین منت ہیں[2]۔

عہدِ عباسیہ کی عربی شاعری دیکھی جائے تو اس دور کے شروع میں جو نامور شعراء ہو گزرے ہیں: وہ سب کے سب ایرانی نژاد ہیں مثلاً بشار، ابو نواس، العباس اور الاحنف۔ ان میں سے بعض نے اپنے ایرانی النسل ہونے پر فخر کیا ہے بشار خود کو ایران کا قریش کہتا ہے[3] الخریمی نے بلند بانگ دعوے کیا ہے کہ اُس کی رگوں میں صغد کے سرداروں کا خون سرایت کر رہا ہے[4] ان دونوں سے پہلے اسمٰعیل بن یسار کے جینے کے لالے

---

[1] ISLAMISME et PARSISME ص ۲۔

[2] تفصیلات کے لئے دیکھئے "Iranian influence on Muslim Literature" کی کتاب کا تیسرا اور چوتھا باب اس کتاب کا روسی زبان سے G. K. Nariman نے ترجمہ کیا ہے INOSTRANZEY اخلاقیات کی کتابوں کے نام کے لئے ملاحظہ ہو الفہرست صفات ۳۱۵ اور ۳۱۶۔

[3] اغانی جلد ۳ ص ۲۱ :

نمی بی الکرام بنی عامر فروعی واصلی قریش العجم

یعنی میرے خاندان کی شاخیں بنو عامر جیسے قبیلے میں ہیں اور میں در اصل ایران کا قریش ہوں۔

[4] ابن قتیبۃ : کتاب الشعر والشعراء ص ۵۴۲ سطر ۳ :

انی امرؤ من سراۃ الصغد البستی عرق الاعاجم جلدا طیب الخبر

یعنی میں صُغد کے شریفوں میں سے ہوں میرے ایرانی بزرگوں نے مجھے کھال و پوست دی ہے جو اچھی شہرت رکھتی ہے۔

پر لگے تھے جب اُس نے خلیفہ ہشام اموی (۱۰۵ھ - ۱۲۵ھ) کے رُو برُو اپنے اسلاف کی برتری کی باتیں کی تھیں[۱]
اس دور کی عربی شاعری میں فارسی الفاظ اور مرکبات کی بھرمار ہے[۲] ان شعراء کو فارسی ضرب الامثال کا
ایک بہت بڑا ذخیرہ مل گیا جس کو انہوں نے عربی جامہ پہنایا۔ ابو ہلال العسکری نے ابن درید کے حوالے سے
کہا ہے کہ صالح بن عبدالقدوس (وفات ۱۶۷ھ) کے کلام میں ایک ہزار عربی کے اور ایک ہزار فارسی
کے ضرب الامثال ہیں[۳]۔ کچھ مدت گذرنے کے بعد شعراء ان ضرب الامثال کو عربی میں منظوم کرنے لگ گئے
ابوالفضل السکری کو لیجئے جو مرو کا باشندہ تھا۔ اُس نے بقول ثعالبی[۴] فارسی امثال کو عربی جامہ پہنانے کی
کوشش کی۔ ان بے شمار امثال میں سے جن کو انہوں نے مثنوی کی شکل میں بیان کئے ہیں ذیل میں صرف
تین امثال بطور وضاحت کے دیئے جاتے ہیں[۵]۔

الف من رام طمس الشمس إخطا الشمس بالتطيين لا تغطى

(وہ بھولا ہے جو آفتاب پر خاک ڈالتا ہے۔ خاک ڈالنے سے آفتاب نہیں چھپتا)

فارسی میں اس کا بالمقابل مقولہ ہے "آفتاب بگل اندودن نتواں" اسدی طوسی نے اسے شعر میں یوں
کہا ہے[۶]:

چنیں داد پاسخ بتِ دل گسل کہ خورشید پوشید نتواں بگِل

(اُس دلربا نے جواباً یوں کہا کہ "آفتاب پر خاک نہیں ڈالی جا سکتی۔")

ب اذا الماء فوق غريق طما فقاب قناة والف سوا

جب ڈوبنے والے کے سر پر سے پانی گذر جائے تو ایک نیزے جتنا پانی ہو یا ہزاروں نیزے جتنا اُس کے لئے دونوں برابر ہیں۔

---

[۱] پروفیسر براؤن: تاریخ ادبیات ایران جلد ۱ ص ۲۶۷۔

[۲] ملاحظہ ہو راجہ عمانی کے اشعار جو اُس نے ہارون کو سنائے اور اُسود بن کریمہ عذ افراد خراشاد کے اشعار
(الجاحظ: کتاب البیان جلد ۱ ص ۹۱۔

[۳] التفضيل التحفة البهية (جرائب ۱۳۰۲) کا صفحہ ۲۱۷۔

[۴] يتيمة جلد ۴ ص ۲۳۔

[۵] (ب) اور (ج) اشعار کا ذکر پروفیسر براؤن نے اپنی تاریخ ایران جلد ۱ ص ۲۷۶ میں کیا ہے لیکن انہوں نے فارسی کے
اشعار کو نظر انداز کیا ہے۔ [۶] گرشاسپ نامہ ص ۴ ب۔

اس کا فارسی میں ضرب المثل یوں ہے: "چوں آب از سر گذشت چہ یک نیزہ چہ صد نیزہ"۔

اس کا نحوی سلمان نے ذیل کے شعر میں دیا ہے:[۱]

گذشت آب از سرت سلمان چہ پائی دست و پائی تن عشقش دریای بی پایان و ما را دستگیری نی

(اس کی محبت ایک اتھاہ سمندر ہے جس میں کوئی ہاتھ تھامنے والا نہیں ہے۔ اے سلمان تمہارے سر سے پانی گذر گیا اب ہاتھ پیر مارنے سے کیا فائدہ؟)۔

احسن ما فی صفۃ اللیل وجد الليل حبلى ليس يدرى ما يلد

(رات کی تعریف میں جو بہترین بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ رات حاملہ ہے نہیں معلوم اس کا زچہ کیا نکلے؟)

اس کی فارسی میں مثال یہ ہے: "شب است آبستن ببینم چہ زاید" یعنی رات حاملہ ہے دیکھیں وہ کیا جنتی ہے۔

اس خیال کا کئی ایرانی شعراء نے اظہار کیا ہے[۲]۔ لیکن عربوں کے لئے بھی یہ خیال اجنبی نہیں تھا۔ ذیل میں

---

[۱] شوری: فرہنگ جلد ۱ ص ۷۶۱

[۲] فرخی کہتا ہے دیوان ص ۴۳ الف۔

گفتم تو چہ دانی کہ شب تیرہ چہ زاید بشکیب و صبوری کن تا شب بنہد بار

یعنی "میں نے کہا: تجھے کیا پتہ کہ شب تاریک سے کیا نکلے؟ صبر سے کام لے اور دیکھ کہ رات کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

بخارا کے افتخاری نے کہا (بتخانہ جلد ۲ ص ۶۳ الف)

ولیکن ہنوزم امید است واثق کہ دوران چہ زاید اواللیل حبلی

یعنی "مجھے اب بھی پوری پوری امید ہے کہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا کیونکہ رات حاملہ ہے"۔

منوچہری کہتا ہے:

زمانہ حامل ہجر است و لابد نہد یک روز بار خویش حامل

یعنی زمانے کے ساتھ مفارقت مقدر ہو چکی ہے حاملہ بھی کسی نہ کسی روز سبکبار ہوگی۔

ظہیر (دیوان ص ۲ ب اور مجمع الفصحاء ۱۳۶ ب) کہتا ہے:۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

دی ہوئی دو مثالوں سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے :-

(۱) عدی بن زید کہتا ہے[۱] :-

یا راقد اللیل مسرورًا باوله   ان الحوادث قد تطرقن اسحارا

لا تأمنن بلیل طاب اوله   فرب آخر لیل أجج النارا

(اے اگلی رات میں خوش ہوکر سونے والے! حادثات تو پچھلی رات میں صبح ہونے سے پہلے ہوئے ہیں. اُس رات میں بے پروائی سے نہ سو جس کی شروعات ہی اچھی ہو بسا اوقات رات ختم ہوتے ہوتے آگ بھڑک اٹھتی ہے)

عدی کے اشعار مفہوم کے لحاظ سے عام معلوم ہوتے ہیں لیکن بشار کے اشعار ایرانی ضرب المثل کے مشابہ ہیں اور لفظوں کے اعتبار سے بھی ایک جیسے ہیں۔ وہ کہتا ہے[۲] :-

ارجع الی سکن تعیش به   ذهب الزمان وانت منفرد

ترجو غدا و غد کحاملة   فی الحی لا یدرون ما تلد

(ایک ایسے مکان کی طرف لوٹ جہاں تجھے آرام نصیب ہو۔ زمانہ گذر چکا ہے اور تجھے تنہا رکھا ہے، تو کل کی آس لگائے بیٹھا ہے اور آنے والی کل ایک حاملہ عورت ہے، قبیلہ میں کوئی نہیں جانتا اُس کے بطن سے کیا نکلے)

ایک اور شاعر تھا جو فارسی ضرب الامثال کو عربی میں منظوم کیا کرتا تھا اُس کا نام ابو عبد الضریر (اندھا) تھا اور وہ ابیورد کا باشندہ تھا (ملاحظہ ہو یتیمہ جلد ۴ ص ۲۵)

(پچھلے صفحہ سے آگے)

زمانہ ہر نفسم تازہ محنتی افزاید   اگرچہ وعدہ معین شدہ ست حبلی را

یعنی ہر لمحہ زمانہ کوئی نہ کوئی آفت ڈھاتا ہے اگر حاملہ کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔

اور حافظ کہتا ہے (فرہنگ شوری ص ۲۳ ب) :

فریب جہان قصہ روشن است   ببین تا چہ زاید شب آبستن است

یعنی دنیا کا مکر و فریب مشہور ہے۔ ٹھہر جا اور دیکھ کہ رات کیا جنم دیتی ہے کیونکہ وہ حاملہ ہے۔

[۱] خرابات۔

[۲] رسالۃ الغفران تصحیح کیلانی جلد ۱ ص ۱۷۹۔

علاوہ اُن شعراء کے جنہوں نے فارسی امثال کا عربی میں منظوم ترجمہ کیا چند اور شعراء پیدا ہوئے انہوں نے اولین دور کے فارسی شعراء کی تشبیہات اور خیالات کا چربہ آتارا یہ شعراء یا تو ہم عصر تھے یا ایک دوسرے سے وقت کے لحاظ سے آگے پیچھے تھے۔ ان کے فارسی اشعار پر ہم دسترس نہیں رکھتے۔ البتہ ان کے عربی ترجمے موجود ہیں۔ چند مثالیں دی جاتی ہیں؛

ذیل کے اشعار میں بقول ثعالبی جو صنعت استعمال میں آئی ہے اسے ابوالحسن احمد بن المؤمل نے رودکی کے اشعار سے لی ہے۔ رودکی کے اشعار اس کی زندگی میں ہی ناپید ہو رہے تھے[۱]

تصور الدنیا بعین الحجی　　لا بالتی انت بہا تنظر

الدھر بحر فاتخذ زورقا　　من عمل الخیر بہ تعبر

(دنیا کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھو نہ کہ بصارت سے۔ زمانہ ایک سمندر ہے اسے نیک نامی کی کشتی سے پار کر سکتے ہیں)

الکافی العمانی المجوسی نے فارسی زبان سے ذیل کا یہ خیال اڑالیا ہے[۲]؛

وصحراء ردّ تہا الظباء حفائرًا　　بأظلافہا احسن بہا من حفائر

فہبت ریاح للصبا فطبنہا　　بمسک فعادت نزہۃ للنواظر

(بہت سے صحرا میں جہاں پر ہرنوں نے اپنے کھروں سے گڑھے کھود رکھے ہیں۔ یہ گڑھے کتنے خوبصورت ہیں! پھر بادِ صبا چلی اور اُن گڑھوں میں مشک بھر دی جو دیکھنے والوں کے لئے تفریح کا سامان ہو گیا)

باخرزی نے دُمیۃ القصر میں جس شعراء کا ذکر کیا ہے ان میں سے بیشتر شعراء ایران کے رہنے والے تھے اور انھیں عربی اور فارسی دونوں میں عبور حاصل تھا چنانچہ انہوں نے دونوں زبانوں میں کلام کہا ہے۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کا بھی اُنھیں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا انہیں اپنے زمانے کے فارسی کلام سے کماحقہ شناسائی تھی لہذا فارسی کے کسی بھی اچھوتے خیال کو وہ عربی جامہ آسانی سے پہنا سکتے تھے۔ اس گروہ کے شعراء میں شیخ ابوعلی الحسن عبداللہ العثمانی ایک باکمال شخص ہو گذرا ہے اُس نے فرخی کی رباعی کا عربی ترجمہ یوں کیا ہے۔

۱؎ دمیۃ ص ۲۲ الف

۲؎ دمیۃ ص ۲۱ الف اور لباب جلد ا ص ۵

خط آوردی روا است ای روی چو ماہ — خوشتر گشتی از آنچه بودی صد راہ
از آرزوی خط تو خوبان سپاہ — بر روی ہمی کشند خطہای سیاہ

(بجا ہے کہ تیرے چاند سے ٹکڑے پر سبزۂ خط اگا ہے۔ تو اب پہلے سے بہت زیادہ خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اب رشک سے بستی میں رہنے والیاں اپنے چہروں پر کالی لکیریں بناتی ہیں)

عربی کی عبارت ہے[1]:

عذرت یا من وجهه — قد عذر المعمود ا
قد تحسدك الصباح — مذ أريتها الخدود ا
وتخط فی خدودها — البيض خطوطا سودا

(اے وہ کہ جس نے اپنے رخِ زیبا سے عاشقوں کو پریشان کر دیا ہے۔ تو نے سبزۂ خط اگایا ہے۔ خوبرویوں نے تجھ سے حسد کرنا شروع کیا جب سے کہ تو نے اپنے رخساروں کو دکھایا اور انہوں نے اپنے دمکتے ہوئے چہروں پر سیاہ لکیریں کھینچنی شروع کی (تاکہ وہ تجھ جیسے دکھائی دیں)

اسی شاعر نے ایک نامعلوم ایرانی شاعر کی ذیل میں دی ہوئی رباعی کا ترجمہ کیا ہے[2]:

تا بر بدی دو زلف بر عارض لست — صد پردہ دریدہ گشت وصد توبہ شکست
جو بیت بستی و ہشیاری مست — ہشیار نکو تری ندانم یا مست

(یعنی جب سے تو نے اپنے رُخِ زیبا پر دو گیسوؤں کی آرائش کی ہے ایک تو تو نے اپنی نقابیں اتار دی ہیں اور دوسرے تو نے اپنی توبہ شکنی کر لی ہے۔ تیرا حسن مدہوشی کے یا ہوشمندی کے عالم میں اپنی جگہ برقرار رہتا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ تو مدہوشی میں زیادہ دلفریب ہے یا ہوشمندی میں۔)

عربی ترجمے میں "صد" کی جگہ "الف" (یعنی ہزار) لکھا گیا ہے پھر بھی مطلب میں سرِ مو فرق نہیں آیا لہذا اس کا ترجمہ کرنا بے سود ہوگا۔

---

[1] دمیہ کے گوتھا والے مخطوطے میں لکھا ہے کہ چوتھا شعر حذف کر دیا گیا ہے لیکن ان تینوں اشعار سے مطلب پورا ہو جاتا ہے۔

[2] دمیۃ ص ۲۰۱ الف۔

مذ قرضت الصدغ فوق عارض کالبدر نقضت الف توبہ وھتکت الف ستر
حسنک باق حالۃ الصحو وحالۃ السکر فی الصحو أبلی أنت أم فی السکر لست أدری

اسی شاعر نے فارسی کی ایک تیسری رباعی کا بھی عربی ترجمہ کیا ہے اور اصل متن سے ترجمہ اس قدر میل کھاتا ہے کہ ان کو پہلو بہ پہلو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

آنجا کہ نباید نہ پدیدی گوئی تحجب فی وقت الحجاب فلا تری
وانجا کہ بباید از زمین بر روئی وتنبتُ فی وقت اللقاء من الأرض
عاشق کنی و مراد عاشق جوئی وتصبی الموالی ثم تبغی مرادھم
اینست خوشی وظریفی و نوشخوئی وذا غایۃ فی الظرو الخلق المرضی

عربی اشعار کا ترجمہ یہ ہے :-

"پردہ پوشی کے وقت تو نظر نہیں آتی لیکن ملاقات کے وقت تو زمین سے اُگ پڑتی ہے عشاق کو تو پریشان حال کر دیتی ہے اور پھر ان کی خواہشوں کا جائزہ لیتی ہے یہ بھی تیری ظرافت اور خوش اخلاقی ہے"۔

ایک اور شاعر ہے جو دونوں زبانوں سے واقف ہے اور اس کا نام ابو نصر منصور عبد اللہ ہے۔ ذیل کی فارسی رباعی کا عربی ترجمہ کرنے کے لئے اسے کہا گیا ہے[1]

می بر کہ عاشقست کہ چنیں زرد ست گوئی کہ چو من از ستمش فردست
گیرم کہ مشک بوی بوی دادست ایں رنگ زعفران زکجا بردست

"شراب کو کیا غم ہے کہ اس کا رنگ پیلا ہے۔ غالبا وہ بھی میرے مانند کسی کے عشق میں گرفتار ہے مانا کہ مشک نے اپنی خوشبو اسے دی ہے لیکن زعفران کا رنگ اس میں کیونکر آ گیا ہے"۔

(مسلسل)

---

[1] دمیۃ۔ ص ۲۵۵ ب۔